© rasailojaraid.com

موسیو سدیو کی تاریخِ عرب پر ایک نظر

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری

ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش

مبحثِ اوّل

(عربوں کے تحصیلِ علوم کی ابتداء اور خلیفہ منصور عباسی کی خلافت کا آغاز)

یہ فخر عرب خلفاء کے زمرہ میں ابو جعفر المنصور عباسی کو حاصل ہے کہ اُس نے سب سے پہلے عربوں کو دماغی اور ذہنی مشاغل میں مشغول کیا اس کی دلیل یہ ہے کہ قدماء عرب کی کتابوں میں بجز بعض ایسے فوائد کے جن کا تعلق عملیاتِ فلکیہ سے ہے اور کوئی علمی مسئلہ نظر نہیں آتا۔ یہ چند فلکی عملیات بھی عربوں کو آسمانی منظر کے وسیلے سے حاصل ہوئے تھے، کیوں کہ منظرِ فلک نے ان کے ذہنوں کو اپنی طرف جذب کرکے اس بات پر غور و فکر کرنے کی توجہ دلائی کہ آخر اس چادرِ نیلی میں یہ تاباں و درخشاں اَجرام کیوں پائے جاتے ہیں، یہ ایک فطری احساس ہے اور دنیا کی تمام قوموں کو ہوا اور ہوتا ہے کہ وہ اپنے ممالک کی خوبی اور درستیِ آب و ہوا کی حالت میں کواکب اور نجوم کے مشاہدہ اور رصد کی طرف متوجہ اور مائل ہوں۔

قدماءِ عرب منازلِ قمر اور نجومِ فلکیہ کے احکام سے واقف و آگاہ تھے۔ ان کو سیار کواکب اور بعض دیگر روشن و درخشاں ستاروں کا بھی علم تھا۔ ان ستاروں کو وہ بخوبی پہچانتے تھے، بلکہ ماسوی اللہ اُن کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اُن کے ہاں حسابِ سنین میں قمری یعنی چاند کے مہینوں کا حساب رائج تھا۔ مگر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اُنھوں نے کبھی یہ فکر کی ہو کہ آسمان کی حرکتوں کی کوئی حد مقرر کریں، یا کوئی ایسا سنہ اور تاریخ قرار دیں جو اُن تمام قوموں میں یکساں رواج پا جائے۔ چنانچہ کسی عام تاریخ یا شمارِ سنین کا حساب نہ ہونے کی وجہ سے تاریخِ عرب کے سلسلہ کی سال وار ترتیب قبل از اسلام تک بالکل محال ہے۔ اور جب تک اُن کے مختلف طریقے کی عبادتیں منسوخ ہو کر انہیں بالکلیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کی تبعیت نصیب نہیں ہوئی، اُس وقت تک اُن کا کوئی مسلسل سنہ قائم نہ ہو سکا۔

مگر عربوں کی طبیعت میں فطری جودت تھی اور اُن میں اس بات کی کامل استعداد موجود تھی کہ جو بات اُن کو کہیں سے حاصل ہو، اس سے تنہا خود ہی فائدہ نہ اُٹھائیں بلکہ اوروں تک بھی پہونچانے کا واسطہ بنیں۔ چنانچہ جو علم عرب علماء کو حاصل ہوتا تھا۔ اُس کی بہت جلد دنیا میں عام اشاعت ہو جاتی تھی۔

دریائے فرات اور دریائے وادی الکبیر کے مابین روئے زمین کے طویل و عریض رقبے پر جتنی قومیں آباد تھیں اور جو آدمی وسطِ افریقہ کے جنوبی خطے میں بود و باش رکھتے تھے، عرب علما محققین کے دماغی جدوجہد کے ثمرات سب کو پہونچ جاتے تھے اور ان سب ممالک میں اُن کے جدید ترین علمی مسائل ہمپائے برق ہو کر شائع ہو جاتے تھے اور قابلِ تعریف امر یہ تھا کہ عربوں کے مشاغلِ کثیر اور اُن کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیت بھی علم کی خدمت اور اُس کی اشاعت میں اُن کی سنگ راہ نہیں بن سکتی تھی۔

اگرچہ عرب مسلمان اس بات کے ہرگز متحمل نہیں ہوتے تھے کہ دین اسلام پر کسی اور دین کو ترجیح دیں یا اُس کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کریں، تاہم وہ بنی اسرائیل کے طرزِ تمدن سے اس بارہ میں ضرور خلاف تھے کہ مغلوب و مفتوح اقوام کی عورتوں سے تناسلی اختلاط نہ قائم کیا جائے، مگر اس تناسلی اختلاط کے باوجود اُنھوں نے اپنی عربی طبیعت اور سرشت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آنے دیا۔ وہ اُن روایات کے بہت سختی سے پابند رہے، جن سے وطنِ اصلی کی یاد تازہ ہوتی رہتی تھی، عربوں کی بود و باش کا یہ حال تھا کہ وہ تقریباً خانہ بدوش رہے۔ ہمیشہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں نقلِ مقام کر کے وہاں سکونت اختیار کی اور پھر اس سے منتقل ہو کر تیسرے ملک میں چلے گئے، لیکن یہ دیکھ کر کمال حیرت ہے کہ اُن کی عادتوں اور طبیعتوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہو سکا، حالانکہ اور قوموں میں نقلِ سکونت کی وجہ سے بہت کچھ تغیرِ طبائع اور عادات میں نمایاں ہو جاتا ہے۔

قدیم جرمن اقوام اپنے ملکوں سے نکل کر دنیا میں پھیل گئیں اور فتوحات کے ذریعے نو آبادیاں قائم کر کے وہاں سکونت اختیار کر لی، مگر انھوں نے ترکِ وطن اور حصولِ سلطنت کے بعد بہت دیر میں اپنے تمدن کا آغاز کیا۔ لیکن عربوں کا معجزہ دیکھیے کہ وہ اپنے مفتوحہ ممالک میں دین اسلام کا نور، اپنی کامل زبان اور اپنے اشعار کے لطائف ایک ساتھ پھیلاتے چلے گئے، گویا دنیا کی قومیں اسی انتظار میں بیٹھی تھیں کہ عرب فاتحین کی ہر ادا کو دلی رغبت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرلیں۔ چنانچہ فرانس کے صوبہ پروانسہ کے وہ شاعر جو فرنگستان کی خاک سے اُٹھے یا دیگر فرنگی مغنی و مطرب جب عشق و مستی کا دلولہ انگیز کلام کہتے یا گاتے تھے تو انہیں کے طرزِ سخن اور اندازِ طرب و غنا کی پیروی کرتے تھے، اور یہ صرف چند روزہ عربی حکومت میں رہنے کا اثر تھا۔

محلاتِ نظریہ

اس مبحث میں مندرجہ ذیل باتیں مزید توضیح و اصلاح چاہتی ہیں:

۱۔ مسلمانوں میں علم و حکمت کا آغاز

۲۔ عربوں کا علم الانوار

۳۔ سن ہجری کا آغاز

۴۔ اسلامی ثقافت کے ارتقاء میں عربوں اور غیر عربوں کا حصّہ۔

تبصرہ

(۱) مسلمانوں میں علم و حکمت کا آغاز موسیو سدیو نے اس مبحث کا افتتاح بدیں طور کیا ہے:-

"یہ فخر عرب خلفاء کے زمرہ میں ابوجعفر المنصور عباسی کو حاصل ہے کہ اُس نے سب سے پہلے عربوں کو دماغی اور ذہنی مشاغل میں مشغول کیا"

علم و حکمت کی تشویق و تشجیعِ اسلام کی بنیادی تعلیم میں مضمر ہے اور جس تیزی سے اس کا تحقق ہوا اُس کا ایک مختصر خاکہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ مگر امویوں کے "ملک عضوض" کے زمانہ میں یہ ترقی کی رفتار بالکل رک گئی، اُن کے زمانہ میں تنہا شخصیت خالد کی ہے، جس نے ذاتی مصالح کی بناء پر کیمیا اور طب و نجوم کی کتابیں یونانی و قبطی سے عربی میں ترجمہ کرائیں۔ مگر خالد کی اس علم دوستی کے پیچھے زر طلبی کا جذبہ کارفرما تھا۔[1] لہٰذا جو مثال اُس نے قائم کی اُس سے عام معاشرہ متاثر نہ ہو سکا۔

---

[1] چنانچہ ابن ندیم لکھتا ہے کہ کسی نے اسے مہوسی کے چکر میں پڑنے پر ملامت کی تھی تو اُس نے کہا میرا مقصد محض اس سے حصولِ زر ہے۔ وہ لکھتا ہے: (الفہرست صفحہ ۴۹۹) "یقال انہ قیل لہ: لقد فعلت اکثر شغلک فی طلب الصنعۃ۔ فقال خالد ما اطلب بذاک الا ان اغنی اصحابی واخوانی۔ انی طمعت فی الخلافہ فاختزلت دونی۔ فلم اجد منھا عوضاً الا ان ابلغ آخر ھذہ الصناعۃ، فلا احوج احد اعرفنی یوماً او عرفتہ الی ان یقف بباب سلطان رغبۃ اورھبۃ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال عربوں کے تحصیلِ علم کی تین منزلیں ہیں :-

(ا) قبل بعثتِ اسلام (ب) صدرِ اسلام اور (ج) عباسی خلافت کا زمانہ -

ا- اسلام سے قبل جو خالص عربوں کا عہد ہے، اُن کا علم اُن کی زبان اور شعر و شاعری پر مشتمل تھا - چنانچہ قاضی صاعد عرب جاہلیۃ کی مذہبی حالت بتانے کے بعد اُن کی علمی حالت کے بارے میں لکھتا ہے :

" واما علمها الذی کانت تتفاخر به وتباری به فعلم لسانها واحکام لغتها ونظم الاشعار وتالیف الخطب " (طبقات الامم صفحہ ۶۸)

بہر حال عربوں کے وہ علوم جن پر وہ فخر و مباہات کیا کرتے تھے تو وہ اُن کا اپنی زبان اور لغت کا علم ہے یا اشعار کا نظم کرنا یا خطبوں کا مرتب کرنا -

یا کچھ دیسی نجوم کا علم تھا - جسے وہ " علم الانواء " کہتے تھے - چنانچہ قاضی صاعد آگے چل کر لکھتے ہیں :-

" وکان للعرب مع هذا معرفة باوقات مطالع النجوم ومغاربها وعلم بانواء الکواکب وامطارها " (ایضاً صفحہ ۷۰)

اس کے ساتھ عربوں کو ستاروں کے جائے طلوع و جائے غروب اور اوقاتِ طلوع و غروب کی کچھ واقفیت تھی، نیز نچھتروں اور بارش کا کچھ علم تھا -

لیکن اس تجرباتی نجوم (علم الانواء) کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

ب - صدرِ اسلام میں خالص نسلی عربوں کے ساتھ عجمی موالی بھی جنھوں نے اسلام اختیار کر لیا تھا، شریک ہو گئے تھے اور کچھ دن کے بعد تو شریکِ غالب بن گئے[1] مگر اس زمانہ کے علوم بھی صرف لسانیات، دینیات اور مبادی طب میں محدود تھے، چنانچہ قاضی صاعد لکھتے ہیں :-

" وکانت العرب فی صدر الاسلام لا تعنی بشیٔ من العلوم الا بلغتها ومعرفة احکام شریعتها حاشا صناعة الطب "[2]

اہلِ عرب اسلام کے ابتدائی زمانہ میں کسی علم کے ساتھ اعتنا نہیں کرتے تھے صرف اپنی لغت اور اپنی شریعت کے احکام کی معرفت رکھتے تھے یا (پھر تھوڑا سا) طب کا تجربہ رکھتے تھے -

پچھلے دور کے علم الانواء کو چوں کہ اسلام نے ناجائز قرار دیا تھا، اس لئے اس کے ساتھ اعتنا بالکل متروک ہو گیا - اور اموی عہد کے دورِ زوال میں تو اس ممانعت کے بہانے سائنٹفک علم الہیئت سے بھی پہلوتہی کی جانے لگی : چنانچہ

---

[1] صحابہ میں تو تفسیر، حدیث، فقہ اور نحو کے جاننے والے عرب تھے مگر تابعین کے زمانہ سے تو ان علوم کے فضلاء کی اکثریت عجمی مسلمانوں (موالی) ہی میں ہونے لگی - [2] طبقات الامم صفحہ ۴۷ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب ہشام اموی (۱۰۵-۱۲۵ھ) سے کہا گیا کہ خراج کی وصولی کا وقت جو فصل کے اعتبار سے ہونا چاہئے، اُس سے بہت پہلے ہو جاتا ہے، اس سے رعایا کو بہت تکلیف ہے لہٰذا اس دن کا تعین از سرِ نو کیا جانا چاہئے تو ہشام نے یہ کہہ کر اس مطالبہ کو ٹال دیا کہ ایسا کرنا قرآنی ممانعت سے سرتابی کرنا ہوگا، چنانچہ البیرونی لکھتا ہے:-

"ان الفرس کانوا یکبسونہا۔ فلما جاء الاسلام عطل واضر ذلک بالناس واجتمع الدھاقنۃ زمن ھشام بن عبد الملک الی خالد القسری فشرحوا لہ ھذا وسألوہ ان یوخر النوروز شھرا۔ فابی وکتب الی ھشام بذلک۔ فقال انی اخاف ان لا یکون ھذا من قول اللہ تعالیٰ: انما النسئ زیادۃ فی الکفر (الآثار الباقیہ ص ۳۲)

اہلِ ایران میں لوند کا مہینہ مقرر کرنے کا رواج تھا، مگر جب اسلام مبعوث ہو گیا تو یہ نظام معطل ہو گیا، لیکن اس سے لوگوں کو بڑا ضرر پہونچا۔ اس لئے زمین دار لوگ بزمانۂ ہشام بن عبد الملک خالد بن عبد اللہ القسری کے پاس پہونچے اور صورتِ حال اُس کے گوش گزار کرنے کے بعد نوروز کے (جس دن خراج واجب ہوتا تھا) ایک مہینہ موخر کرنے کی درخواست کی، اس نے انکار کر دیا اور معاملہ کو ہشام کے پاس بھیجا۔ تو ہشام نے کہا مجھے خوف ہے کہ کہیں ایسا کرنا "نسئ" کے مترادف نہ ہو جسے قرآن میں ازدیادِ کفر کا موجب کہا گیا ہے۔

جب ان معمولی علوم کے ساتھ ان عربوں کی بے اعتنائی کا یہ عالم تھا تو فلسفہ وحکمت کا تو کہنا ہی کیا، چنانچہ وہ خالص عربوں کی کل علمی کائنات گنانے کے بعد خصوصیت سے فلسفہ وحکمت سے اُن کی طبعی محرومی کی تصریح کرتا ہے اور لکھتا ہے:

"فھذا ما کان عند العرب من المعرفۃ۔ واما علم الفلسفۃ فلم یمنحہم اللہ عزوجل شیئا منہ ولا ھیأ طباعہم للعنایۃ بہ" (طبقات الامم صفحہ ۷۰)

یہ تھی صدرِ اسلام میں عربوں کی کل علم ومعرفت کی کائنات رہا فلسفہ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے بالکل محروم رکھا ہے اور اُن کا مزاج ہی اس قابل نہیں بنایا کہ اس کے ساتھ اعتناء کر سکیں۔

یہی نہیں بلکہ بقول قاضی صاعد سوائے دو ایک فضلاء کے عربوں میں کوئی فلسفی پیدا ہی نہیں ہوا۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

(ج) لیکن تیسری منزل میں، جو صرف نام ہی کے لئے عربوں کا کارنامہ کہا جا سکتا ہے (کیوں کہ درحقیقت اس دور میں تمام علوم کے فضلاء غیر عرب (موالی) یا آزاد عجمی مسلمان ہی تھے، اس منزل میں صورتِ حال بالکل بدل جاتی ہے اور علم وحکمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا چرچا عام ہو جاتا ہے، چنانچہ قاضی صاعد نے اموی عہد کی علمی و ثقافتی بے مائیگی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد عباسی عہد کی علمی ترقی اور ثقافتی ثروت کا تذکرہ کیا ہے :-

"فهذه كانت حالة العرب في الدولة الاموية فلما ادال الله تعالى تلك الدولة للهاشمية وصرف الملك اليهم ثابت الهمم عن غلتها وهبت الفطن من سنتها" (طبقات الامم صفحہ ۷۵)	یہ تھی عربوں کی حالت اموی عہدِ خلافت میں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکومت کو لوٹا کر ہاشمی خاندان کی طرف پھیر دیا اور ملک و دولت بھی اس خاندان میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمتوں کو استواری بخشی اور فطانتیں اپنے جمود و غفلت سے بیدار ہو گئیں۔

غرض عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد صورتِ حال بالکل بدل گئی کیوں کہ یہ محض حکمراں خاندانوں کی تبدیلی نہ تھی، بلکہ ایک ثقافتی انقلاب تھا۔ "زاب" کی لڑائی صرف امویوں اور عباسیوں کے اقتدار کی لڑائی نہ تھی، "یہ عرب کے سوزِ دروں" اور "عجم کے حسنِ طبیعت" کا مقابلہ تھا، جس میں موخر الذکر کو کامیابی ہوئی، چوں کہ عباسی ایرانیوں کی مدد سے برسرِ اقتدار آئے تھے، لہٰذا انھوں نے قدیم ایرانی بادشاہوں کی طرح علم و حکمت کی سرپرستی پر توجہ دی،

پہلا عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح تھا جس کا وقت "بازانقلابات" کے سدباب اور استحکام مملکت کی کوششوں میں گزرا۔ اُس نے چار سال کی خلافت کے بعد ۱۳۶ھ میں وفات پائی، اس کے بعد ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا جس نے باقاعدہ اس علمی تحریک کا آغاز کیا۔ چنانچہ قاضی صاعد کہتے ہیں :

"فكان اول من عنى منهم بالعلوم الخليفة الثاني ابو جعفر المنصور" [1]	اس خاندان میں پہلا شخص جس نے علوم و فنون کی طرف توجہ کی خلیفہ ثانی ابو جعفر منصور تھا۔

منصور خود صاحبِ علم و فضل تھا چنانچہ قاضی صاعد آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"فكان رحمه الله مع براعته في الفقه وتقدمه في علم الفلسفة وخاصة في علم صناعة النجوم كلفاً بها وباهلها" [2]	پس وہ فقہ میں دستگاہِ عالی اور علمِ فلسفہ میں بالخصوص فنِ نجوم میں درجۂ کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ ان علوم کا شوقین اور اس کے ماہرین کا قدردان بھی تھا۔

---

[1] طبقات الامم ص ۷۵۔ [2] ایضاً۔ ص ۷۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصور کا ابتدائی زمانہ علوی دعویداران خلافت کی شورشوں کے دبانے میں گزرا۔ جب اس سے فراغت ملی تو اس نے علم وحکمت کی سرپرستی پر توجہ دی، چنانچہ سیوطی نے ذہبی سے نقل کیا ہے کہ ۱۴۳ھ سے علوم وفنون کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی :-

"قال الذهبی فی سنة ثلث واربعين ومائة شرع علماء الاسلام فی هذا العصر فی تدوين الحديث والفقه والتفسير.... وكثر تدوين العلم وتبويبه ودونت كتب العربية واللغة والتاريخ وايام الناس وقبل هذا العصر كان الائمة يتكلمون من حفظهم او يروون العلم من صحف صحيحة غير مرتبة" (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۷۷-۱۷۸)

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ۱۴۳ھ سے اس عہد میں علماء نے حدیث، فقہ اور تفسیر کے مدون کرنے کی شروعات کی...... علوم کی تدوین بڑھ گئی اور وہ ابواب وفصول میں مرتب ہونے لگا۔ عربیت، لغت، تاریخ اور ایام الناس کے موضوعوں پر کتابیں مرتب ہونے لگیں۔ اس سے پہلے ائمہ فن یا تو اپنے حافظہ پر اعتماد کرکے تقریر کیا کرتے تھے یا ایسی یادداشتوں سے علم کی روایت کرتے تھے جو غیر مرتب ہوتی تھیں۔

خود امام ذہبیؒ نے "تذکرة الحفاظ" میں لکھا ہے :-

"وفی عصر هذه الطبقة تحولت دولة الاسلام من بنی اُمية الی بنی العباس.... وشرع الكبار فی تدوين السنن وتاليف الفروع وتصنيف العربية........ وانما كان قبل ذلك علم الصحابة والتابعين فی الصدور" (تذکرة الحفاظ جلد اول صفحہ)

اس طبقہ کے زمانہ میں حکومت بنی اُمیہ سے بنی عباس میں منتقل ہوگئی........ اور بڑے بڑے علماء نے سنن کی تدوین، فروع کی تالیف اور عربیت کی کتابوں کی تصنیف کی ابتدا کی...... ورنہ اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم صرف اُن کے سینہ میں محفوظ رہا کرتا تھا۔

اسی طرح مسعودی نے محمد بن علی الخراسانی سے نقل کیا ہے :-

"المنصور اول الخليفة قرب المنجمين وعمل باحكام النجوم...... واول خليفة ترجمت

منصور پہلا خلیفہ ہے جس نے نجومیوں کو تقرب بخشا اور ان کے مشوروں پر عمل کیا۔ وہ پہلا خلیفہ ہے جس کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[1] "الكتب السريانية والاعجمية بالعربية ككتاب كليلة ودمنة واقليدس"[1] سریانی اور عجمی (پہلوی) زبانوں سے عربی میں کتابیں ترجمہ کی گئیں جیسے کہ کتاب کلیلہ و دمنہ اور اُقلیدس کی اصول الہندسہ

منصور کا منجمِ خصوصی نوبخت تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اُس کا بیٹا ابو سہل بن نوبخت منجم باشی ہوا۔ نوبخت ہی نے ابراہیم بن عبداللہ کے مقابلے میں منصور کی فتح کی پیشین گوئی کی تھی[2] اور جب وہ فتح کی خوش خبری سنانے آیا تو اُس نے اُسے ایک بڑی جاگیر انعام میں دی[3]۔

منصور کے عہد کا دوسرا مشہور منجم ماشاء اللہ تھا، جس نے نوبخت کے ساتھ مل کر بغداد کی بنیاد ڈالنے کی مہورت نکالی تھی[4]۔ نوبخت، ابراہیم بن محمد الفزاری اور طبری کی نگرانی میں مہندسین (انجینیروں) نے بغداد کو تعمیر کیا تھا[5]۔ شہر کے چار ربعے چار مشہور مہندسوں نے تعمیر کیے تھے:-

باب کوفہ سے باب بصرہ تک عمران بن وضاح نے، باب کوفہ سے باب شام تک عبداللہ بن محرز نے، بابِ شام سے دجلہ کے پل تک حجاج بن یوسف بن مطر نے اور بابِ خراسان سے دجلہ کے پُل تک شہاب بن کثیر مہندس نے[6]۔

اس عہد کے مشہور ہیئت دانوں کے نام یہ ہیں:-

ابراہیم بن حبیب الفزاری: نجوم و ہیئت میں دستگاہِ عالی رکھتا تھا اور اس فن کی کئی کتابوں کا مصنّف ہے[7]۔ وہ عہدِ اسلام میں پہلا فاضل ہے جس نے اصطرلاب بنایا۔ اس کی کتاب "تسطیح الکرہ" اصطرلاب سازی کے باب میں بعد کے مسلمان ہیئت دانوں کا ماخذ تھی[8]۔

محمد بن ابراہیم الفزاری: غالباً موخرالذکر کا بیٹا تھا۔ وہ علمِ ہیئت اور حرکاتِ کواکب کا فاضل، نجومی اور پیشین گوئی کا ماہر تھا[9]۔ حسب تصریح ابن القفطی وہ پہلا شخص ہے، جس نے تاریخ اسلام میں عموماً اور عباسی دور میں خصوصاً اس علم میں تبحر حاصل کیا[10]۔

---

[1] مروج الذہب ومعدن الجواہر برحاشیہ کامل ابن اثیر جلد عاشر ص ۱۴۰ ۔ [2] کامل لابن الاثیر جلد خامس ص ۲۱۰ ۔ [3] ایضاً ص ۲۱۲ ۔

[4] "ووضع اساس المدینة فی وقت اختاره نوبخت المنجم وماشاء اللہ بن ساریہ" (کتاب البلدان لابن واضح الیعقوبی ص ۲۳۸ ، ص ۲۴۱)

[5و6] "کان الذین ہندسوہا عبداللہ بن محرز والحجاج بن یوسف وعمران بن الوضاح وشہاب بن کثیر بحضرة نوبخت وابراہیم بن محمد الفزاری والطبری" (ایضاً)

[7و8] ابراہیم بن حبیب الفزاری: "الامام العالم المشہور المذکور فی حکماء الاسلام وہو اول من عمل فی الاسلام اسطرلاباً ولہ کتاب فی تسطیح الکرة منہ اخذ کل الاسلامیین...... ولہ تصانیف مذکورة منہا کتاب القصیدہ فی علم النجوم وکتاب المقیاس للزوال وکتاب الزیج علی سنی العرب وکتاب العمل بالاصطرلابات ذوات الحلق وکتاب العمل بالاصطرلابات المسطح" (اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۴۲)

[9و10] محمد بن ابراہیم الفزاری: "فاضل فی علم النجوم متکلم فی حوادث الحدثان خبیر بتسییر الکواکب، وہو اول من عنی فی الملة الاسلامیة وفی اوائل دولة العباسیة بہذا النوع" (ایضاً صفحہ ۱۷۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد بن ابراہیم الفزاری ہی نے منصور کے ایماء سے سدھانت کا ترجمہ کیا (مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

یعقوب بن طارق: سدھانت کو عربی میں منتقل کرنے میں محمد بن ابراہیم الفزاری کا شریک تھا۔ ہندی عالم سدھانت کی مدد سے اُس نے ہندوستانی ہیئت کے "ادوار اربعہ" (چترینگیہ) کو عربی میں منتقل کیا تھا[1]۔ علم ہیئت میں اس کی خاص کتاب "ترکیب الافلاک" ہے۔

الطبری (غالباً پورا نام عمر بن فرخان الطبری): تاریخ اسلام کے چار حُذّاق مترجمین میں محسوب ہوتا ہے[1]۔ اُس نے بطلیموس کی "کتاب الاربعہ" کی جسے ابو یحییٰ البطریق نے ترجمہ کیا تھا، شرح لکھی تھی[2]۔

نوبخت: منصور کا منجم خصوصی تھا[3]۔ اسی نے ماشاء اللہ کے ساتھ مل کر بغداد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی مہورت نکالی تھی۔

ماشاء اللہ: منصور کے زمانہ کا بہت بڑا جیوتشی تھا۔ نجوم اور جیوتش کی متعدد کتابوں کے علاوہ ابن الندیم نے اصطرلاب پر اس کی کئی کتابیں بنائی ہیں جیسے "کتاب صنعۃ الاصطرلابات والعمل بہا" "کتاب ذات الحلق" وغیرہ[4]۔

غالباً اس وقت بغداد میں عرب نظامِ فلکیات (علم الانواء) متداول تھا۔ اسی انداز پر ابراہیم بن حبیب الفزاری نے اپنی زیج "کتاب الزیج علی سنی العرب" مرتب کی تھی۔ اور اسی انداز پر اُس کے بیٹے محمد بن ابراہیم الفزاری سے منصور نے برہم سدھانت کا ترجمہ کرایا تھا۔ (مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

دوسرا ہیئتی نظام ایرانیوں کا تھا جس کی بنیاد "زیج شہریار" (یا "زیک شتریار") پر تھی۔

اسی زمانہ میں ایک تیسرا نظامِ ہیئت بغداد کے علمی حلقوں میں داخل ہوا۔ یہ ہندوستان کا ہیئتی نظام (سدھانت) تھا۔ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:-

"ان الحسین بن محمد بن حمید المعروف بابن الآدمی ذکر فی زیجہ الکبیر المعروف بنظم العقد انہ

اور حسین بن محمد بن حمید المعروف بابن الآدمی نے اپنی بڑی زیج معروف بہ "نظم العقد" میں لکھا ہے کہ ۱۵۶ھ میں

---

[1] قال ابو معشر فی کتاب المذاکرات لشاذان حذاق التراجمۃ فی الاسلام اربعۃ: حنین بن اسحاق ویعقوب بن اسحاق الکندی وثابت بن قرہ الحرانی وعمر بن فرخان الطبری" (طبقات الاطباء جلد اول ص ۲۰۶) [2] عمر بن الفرخان ...... احد رؤس التراجمۃ والمتحققین بعلم حرکات النجوم ...... لہ کتباً کثیرۃ فی النجوم ..... منہا کتاب تفسیر الاربع مقالات لبطلیموس من نقل ابن یحییٰ البطریق" (ابن القفطی ص ۲۶)

[3] کان نوبخت ابوہ (ابو ابی سہل بن نوبخت) منجماً ایضاً فاضلاً یصحب المنصور۔ فلما ضعف نوبخت عن الصحبۃ قال لہ المنصور احضر ولدک لیقوم مقامک" (ایضاً ص ۲۶۶) [4] الفہرست لابن الندیم ص ۳۸۲ "کان فاضلاً اوحد زمانہ فی علم الاحکام ولہ من الکتب .... کتاب صنعۃ الاصطرلابات والعمل بہا وکتاب ذات الحلق .... [5] تحقیق ما للہند من مقولۃ مقبولۃ عند العقل او مرذولۃ للبیرونی ص ۲۰۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدم علی الخلیفة المنصور فی سنة ست و خمسین ومائة رجل من الهند عالم بالحساب المعروف بالسند هند فی حرکات النجوم مع تعادیل معلومة علی کردجات محسوبة لنصف نصف درجة مع ضروب من اعمال الفلك ومع کسوفین ومطالع البروج وغیر ذلك فی کتاب یحتوی علی اثنی عشر بابا ...... فامر المنصور بترجمة ذلك الکتاب الی اللغة العربیة و ان یولف منه کتاب تتخذه العرب اصلاً فی حرکات الکواکب، فتولی ذلك محمد بن ابراهیم الفزاری وعمل منه کتابا یسمیه المنجمون بالسند هند الکبیر..... فکان اهل ذلك الزمان یعملون به الی ایام الخلیفة المامون[1]

خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں ایک شخص ہندوستان سے پہونچا جو وہاں کے مخصوص ہیئتی حساب "سدھانت" میں ماہر تھا۔ اس کے ساتھ ایک کتاب (برہم سدھانت) بھی تھی جو حرکات نجوم آدھے آدھے کروجہ کی تعدیلات، نیز دیگر اعمال فلکیہ اور کسوف وخسوف اور مطالع بروج وغیرہ پر مشتمل تھی۔ اس میں بارہ ابواب تھے ....

پس منصور نے اس کتاب کے عربی میں ترجمہ کرنے، نیز اس کے اصول پر علم ہیئت کی ایک کتاب لکھنے کا حکم دیا، جسے عرب حرکات کواکب کے حساب میں اصل و معتمد علیہ بنائیں۔ پس محمد بن ابراہیم الفزاری نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور اس کی مدد سے ایک کتاب تیار کی جسے ماہرین فلکیات "السند ہند الکبیر" کہتے ہیں۔ .... اس زمانہ کے لوگ خلیفہ مامون الرشید کے عہد تک اسی پر عمل کرتے تھے۔"

قاضی صاعد نے ہندوستان کے اس علمی وفد کا سال آمد ۱۵۶ھ بتایا ہے لیکن البیرونی ۱۵۴ھ کہتا ہے[2] واللہ اعلم بالصواب۔

برہم سدھانت ہی کے ذریعہ مسلمان مہندسین "جیب" (SINE) کے تصور سے واقف ہوئے ورنہ یونانی اور ایرانی علم الہیئت میں "اوتار" (CHORDS) ہی کے ذریعہ "مثلثاتی حسابات" کئے جاتے تھے، اس طرح "علم المثلثات" کی ترقی میں مسلمانوں کا یہ پہلا قدم تھا۔

منصور کو علم وحکمت کی ترقی سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ اُس نے رومی بادشاہوں سے یونانی حکمت وریاضیات وطبیعیات) کی کتابیں ترجمہ کرا کر منگائیں:۔

---

[1] طبقات الامم صفحہ ۷۸ [2] کتاب الہند للبیرونی۔ ص ۲۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فبعث ابوجعفر المنصور الی ملك الروم ان یبعث الیه بکتب التعالیم مترجمة فبعث الیه بکتاب اُقلیدس وبعض کتب الطبیعیات فقرؤها المسلمون واطلعوا علی ما فیها فازدادوا حرصاً علی الظفر بما بقی منها" [1]

پس خلیفہ ابوجعفر نے بادشاہ روم کو ریاضیات کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کراکے بھیجنے کے لئے لکھا، پس اُس نے اُقلیدس کی "اصول ہندسہ" اور طبیعیات کی کچھ کتابیں اُس نے بھیجیں جنھیں مسلمانوں نے پڑھا اور ان کے مضامین سے واقف ہوئے، اس سے ان کتابوں کے لئے جو روم میں رہ گئی تھیں، اُن کا شوق اور بڑھ گیا۔"

منصور ہی کے زمانہ میں سب سے پہلے "اصول اُقلیدس" کا عربی میں ترجمہ ہوا اور غالباً یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوئی، ابن خلدون کہتا ہے:-

"کتاب اوقلیدس ویسمّی کتاب الاصول ...... اول ما ترجم من کتب الیونانیین فی الملة ایام ابی جعفر المنصور" [2]

کتاب اُقلیدس' اسے "کتاب الاصول" بھی کہا جاتا ہے.... یونانی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ہے جو ابوجعفر المنصور کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں میں ترجمہ ہوئی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۵۳۲)

منصور ہی کے زمانہ میں پہلی مرتبہ ارسطاطالیسی منطق کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:-

"فاما المنطق فاول من اشتهر به فی هذه الدولة عبدالله بن المقفع الخطیب الفارسی کاتب ابی جعفر المنصور فانه ترجم کتب ارسطاطالیس المنطقیة الثلاثة التی فی صورة المنطق وهی کتاب قاطاغوریاس وکتاب باری ارمینیاس وکتاب انولوطیقا وذکر انه لم یترجم منه الی وقته الا الکتاب الاول فقط وترجم ذلك المدخل الی کتاب المنطق المعروف بالایساغوجی لفرفوریوس الصوری" [3]

رہی منطق تو سب سے پہلے جو شخص اس حکومت میں اس میں تبحر کے لئے مشہور ہوا وہ عبداللہ بن المقفع مشہور ایرانی خطیب اور منصور کا کاتب تھا۔ اُس نے ارسطاطالیسی منطق کی پہلی تین کتابوں کا جو صوری منطق پر مشتمل ہیں عربی میں ترجمہ کیا یعنی قاطیغوریاس (کتاب المقولات) باری ارمینیاس (کتاب العبارۃ) اور انالوطیقا (کتاب القیاس) کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے سوائے پہلی کتاب کے اور کسی کتاب کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ عبداللہ المقفع نے ان تین کتابوں کے علاوہ فرفوریس کی ایساغوجی کا بھی ترجمہ کیا تھا۔

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۲۶ - [2] ایضاً ص ۵۳۲ - [3] طبقات الامم ص ۷۷ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالباً عبداللہ بن المقفع نے یہ کتابیں پہلوی تراجم سے نقل کی تھیں۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف مئی ۱۹۵۶ء)

منصور ہی کے زمانہ میں یونانی طب ۱۴۸ھ میں جندی سابور سے بغداد میں داخل ہوئی، ہوا یہ کہ اس سال منصور سخت بیمار ہوگیا اور جب اطبائے دربار کے علاج سے افاقہ نہ ہوا تو جندی سابور سے جورجیس بن جبرئیل طبیب کو بلایا گیا۔ اس کے علاج سے منصور کو صحت ہوئی۔ اس کے بعد منصور نے جورجیس کو اپنا طبیبِ خصوصی بنا لیا، جورجیس نے منصور کے حکم سے بہت سی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ابن ابی اُصیبعہ نے لکھا ہے:۔

"جورجیس بن جبرئیل کانت لہ خبرة بصناعة الطب ومعرفة بالمداواة وانواع العلاج وخلام بصناعة الطب المنصور وکان خطیباً عندہ رفیع المنزلة .... وقد نقل للمنصور کتباً کثیرة من کتب الیونانیین الی العربی" [1]	جورجیس بن جبرئیل: اُسے فن طب میں بہت اچھی مہارت تھی، دوا سازی اور طریقِ علاج سے واقف تھا، منصور کا معالج خصوصی تھا اور اُس کے صلات و جوائز سے بار بار مستفید ہوتا رہتا تھا........ منصور کے ایماء سے بہت سی یونانیوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔

یہ تھی مسلمانوں میں علم وحکمت کی باضابطہ ابتداء جو حقیقتاً "شاندار ابتداء" کہلانے کی مستحق ہے۔ بعد کی تاریخ آگے آئے گی۔

(۲) عربوں کا دیسی علم نجوم (علم الانواء) عرب کی آب وہوا اور کھلا آسمان بابل وکالدیا کی طرح فلکیاتی مشاہدات کے لئے بہت زیادہ سازگار رہیں چنانچہ انھوں نے عہدِ جاہلیہ (قبل اسلام) میں ایک مخصوص فلکیاتی نظام بھی مرتب کر لیا تھا جسے وہ علم الانواء کہتے تھے مگر اس پر ہیئت کا تو کم البتہ جیوتش کا زیادہ اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور چوں کہ جوتش اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے، اس لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انواء کو بھی ممنوع قرار دیا تھا۔ حدیث شریف میں ہے۔

"مناظر النجوم" میں عربوں کی ہیئت دانی کے بارے میں لکھا ہے:۔

عرب پسند حضرات کو اس قدیم دیسی نظام یا "علم الانواء" پر بڑا فخر تھا، چنانچہ ابن قتیبہ اپنی "کتاب الانواء" میں لکھا

"انی رأیت علم العرب بہا ھو العلم الظاھر للعیان الصادق عند الامتحان، النافع لنازل البر	میں نے دیکھا ہے کہ اس باب میں عربوں کا علم (علم الانواء) ایسا علم ہے جو ظاہر اور عیاں ہے (جو خالی آنکھوں کی مدد سے دیکھا جاسکتا ہے)

[1] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۱۲۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وراکب البحر وابن السبیل[۱] امتحان کے وقت سچا ثابت ہوتا ہے اور سمندر اور خشکی سبھی کے مسافروں کے لئے مفید ہوتا ہے۔

چنانچہ اکثر عرب مصنفین نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں: جیسے کتاب الانواء للاصمعی، کتاب الانواع لابی محلم، کتاب الانواء لقطرب، کتاب الانواء لابن الاعرابی، کتاب الانواء للمبرد، کتاب الانواء لابن قتیبہ، کتاب الانواء لابی حنیفہ الدینوری، کتاب الانواء للزجاج، کتاب الانواء لابن درید، کتاب الانواء للدھنی، کتاب الانواء للمزیدی، کتاب الانواء لوکیع، کتاب الانواء لابن عمار، کتاب الانواء لابی غالب احمد بن سلیم الرازی، کتاب الانواء لمحمد بن حبیب[۲] اور لوگوں نے بھی اس فن میں کتابیں لکھی تھیں، سب سے پہلا مصنف ابو فید مورج بن سدوسی (المتوفی ۱۹۵ھ) ہے۔ متاخرین میں ابن درید (المتوفی ۳۲۱ھ) اور الزجاجی (المتوفی ۳۳۷ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

غرض یہ "عرب نظام فلکیات" چوتھی صدی ہجری کے وسط تک یونانی "علم الکواکب الثابتہ" (URANOMETERY) کے حریف کی حیثیت سے مروج رہا، چنانچہ مشہور ہیئت داں عبدالرحمٰن الصوفی اپنی کتاب "صور الکواکب الثابتہ" میں لکھتا ہے:-

"انی رأیت کثیراً من الناس یخوضون فی طلب معرفۃ الکواکب الثابتۃ .... ووجدتھم علی فرقتین: احدٰھما تسلک طریقۃ المنجمین ..... واما الفرقۃ الاخری فانھا سلکت طریقۃ العرب فی معرفۃ الانواء ومنازل القمر- ومعولھم علی ما وجدوہ فی الکتب المؤلفۃ فی ھذا المعنی"[۳]	میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو کواکب ثابتہ کے علم میں غور و فکر کرتے ہیں ...... اُن کی دو جماعتیں ہیں: ایک ہیئت انوں کے طریقہ کی عامل ہے ...... اور دوسری جماعت عربوں کے طریقہ پر عمل پیرا ہے جس طرح وہ بچھتروں کی معرفت' اور چاند کی منزلوں کا علم رکھتے تھے۔ اس باب میں اُن کا اعتماد اُن کتابوں پر ہے جو اس موضوع پر تصنیف ہوئی ہیں۔

بہرحال عرب علم الانواء میں سب سے بہتر ابوحنیفہ الدینوری کی کتاب الانواء تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن الصوفی آگے چل کر لکھتا ہے:-

"ووجدت فی الانواء کتباً کثیرۃ اتمھا واکملھا فی فنہ کتاب ابی حنیفۃ الدینوری فانہ	مجھے علم الانواء میں بہت سی کتابیں ملیں مگر ان میں سب سے مکمل ابوحنیفہ الدینوری کی کتاب ہے جس سے معلوم

[۱] کتاب الانواء لابن قتیبہ ص ۲۰۔ [۲] کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۱۳۰ - و نیز دیگر صفحات متفرقہ۔
[۳] صور الکواکب لعبدالرحمٰن الصوفی۔ ص ۱-۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یدل علی معرفة تامة بالاخبار الواردة عن العرب فی ذلک واشعارها واسجاعها فوق معرفة غیرہ ممن الفوا الکتب فی ہذا الفن[1]

ہوتا ہے کہ اُسے اُن روایات کے اوپر جو اس باب میں عربوں سے مروی ہیں اور اشعار و اسجاع جو اُن سے مروی ہیں دوسرے مصنفین انواء سے زیادہ معرفت تامہ تھی۔

ابو حنیفہ الدینوری کی کتاب کو غالباً ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "مناظر النجوم" میں (بقول مسعودی) ہتیا لیا تھا۔

ابن قتیبہ کی کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد سے چھپ گئی ہے۔

یہ عربوں کا "علم الانوار" تھا۔ اس کے علاوہ یونانیوں کے علم الانواء (EPISYMASIA) پر بھی حکماءِ اسلام نے کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں سے حسن بن سہل بن نوبخت، ابو معشر بلخی، ثابت بن قرہ، سنان بن ثابت بن قرہ کی "کتاب الانواء" زیادہ مشہور ہیں۔

لیکن عربوں کا دیسی علم الانوار ہیئت کی سائنٹفک دقّتِ نظری سے معرا تھا اور اُسی حد تک تھا جہاں تک کہ عام کسانوں اور ملاحوں کو تجربہ ہوتا ہے۔ البیرونی عرب جاہلیہ کے اس ورثہ کا بڑا سخت نقاد ہے اور ابن قتیبہ نے جو کچھ عرب علم الانواء کی تعریف کی ہے، اُس سے زیادہ شدید الفاظ میں البیرونی نے اُس کی تنقیص کی ہے:۔

"وکذلک لو تاملت اسامیہم للکواکب الثابتة لعلمت انہم کانوا من علم البروج والصور بمعزل وان کان ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبة الجبلی یھول ویطول فی جمیع کتبہ وخاصتہ فی کتابہ فی تفضیل العرب علی العجم وزعم ان العرب اعلم الامم بالکواکب ومطالعہا ومساقطہا ولا ادری اجھل ام تجاھل ما علیہ الزراعون والاکرة فی کل موضع وبقعة ...... ولو تاملتہا فی کتب الانواء وخاصة کتابہ الذی وسمہ بعلم مناظر النجوم ...... لعلمت

اور اسی طرح اگر تم اُن ناموں پر غور کرو جو عربوں نے کواکب ثابتہ کے رکھے تھے تو معلوم کر لوگے کہ انہیں بروج اور صور (CONSTELLATION) کا کوئی علم ہی نہ تھا اگرچہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الجبلی وغیرہ عربوں کے علم الانواء بڑے رعب ڈالنے والے انداز میں بڑھا چڑھا کر اپنی کتابوں میں لکھا کرتا ہے۔ بالخصوص اپنی اُس کتاب میں جس میں اُس نے غیر عربوں پر عربوں کی افضلیت ثابت کی ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ عرب دنیا کی ساری قوموں میں ستاروں اور اُن کے مطالع و مساقط کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ابن قتیبہ کی نادانی تھی یا تجاہل عارفانہ

---

[1] کتاب صور الکواکب لعبد الرحمٰن الصوفی ص ۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انهم لم يختصوا من ذلك باكثر مما اختص به فلاحو كل بقعة." (الآثار الباقیہ، ص ۲۳۸-۲۳۹)

کہ وہ اُن چیزوں کو بھی نہیں جانتا جو ہر جگہ اور مقام کے کسان اور کیرے جانتے ہیں...... اور اگر تم انواء پر لکھی ہوئی کتابوں میں غور کرو خاص طور سے ابن قتیبہ کی کتاب "منازل النجوم" میں...... تو جان لوگے کہ عربوں کو فلکیات کا اس سے زیادہ علم نہیں تھا جتنا کہ ہر مقام اور جگہ کے کسانوں کو ہوتا ہے۔

اس علم الانواء کا بدترین پہلو یہ تھا کہ عرب جاہلیہ نے اجرامِ سماوی کی پرستش شروع کر دی تھی، چنانچہ حمیر آفتاب کی، کنانہ قمر کی، تمیم دبران کی، لخم وجذام مشتری کی، طے سہیل کی، قیس شعریٰ عبور کی اور اسد عطارد کی پرستش کرتے تھے۔

اس لئے اسلام نے جس کی بعثت کا مقصد اسنیٰ خدائے واحد کی عبادت کا اعلان تھا، دوسرے توہمات اور ڈھکوسلوں کے ساتھ نجوم اور جوتش کی بھی مخالفت کر دی۔

(۳) سن ہجری کا افتتاح و آغاز موسیو موصوف نے لکھا ہے کہ:-

"جب تک اُن کی مختلف طریقے کی عبادتیں منسوخ ہو کر اُنھیں بالکلیہ اسلام کی تبعیت نصیب نہیں ہوئی، اُس وقت تک اُن کا کوئی مسلسل سن قائم نہ ہو سکا"

مگر یہ بالکل بے بنیاد بلکہ مضحکہ خیز اندازِ استدلال ہے جس کا تاریخی حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ سن ہجری کا افتتاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ یا حسبِ تصریح ابن الاثیر ۱۶ھ میں کیا۔ چنانچہ ابن الاثیر ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے:-

"وفيها كتب عمر التاريخ بمشورة علي بن ابي طالب" (کامل لابن الاثیر جلد ثانی ص ۲۰۳)

اور اسی سال حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے خطوط میں تاریخ لکھنا شروع کیا۔

حالانکہ عربوں کی مختلف طریقے کی عبادتیں ۸ھ میں ہی منسوخ اور کالعدم ہو چکی تھیں جبکہ سوائے یہود و نصاریٰ کے پورا جزیرہ نمائے عرب مسلمان ہو چکا تھا اور ہر چند کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۱۱ھ) کے بعد بعض قبائلِ عرب مرتد ہو گئے تھے مگر جلد ہی فتنۂ ارتداد کی قرار واقعی سرکوبی ہو گئی اور صدیق اکبرؓ کی وفات ۱۳ھ سے پیشتر پھر مرتدین سب مسلمان ہو گئے۔

غرض سن ہجری کے آغاز اور عربوں کے طریقہ ہائے عبادت کی منسوخی میں کوئی تعلق نہیں ہے اور موسیو موصوف کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ استدلال "مارا گھٹنا پھوٹی آنکھ" کی بدترین مثال ہے، سن ہجری کے آغاز کار کی تفصیل تواریخ میں من وعن مذکور ہے۔ اور اُن میں اس قیاس آرائی کا ادنیٰ الزام بھی نہیں ملتا۔ ہوا یہ تھا کہ کسی عامل کا خط حضرت عمرؓ کے پاس آیا جس میں شعبان کے کسی واقعہ کا حوالہ تھا، آپؓ نے فرمایا: کون سا شعبان، سالِ رواں کا شعبان یا سالِ گزشتہ کا شعبان یا سالِ آئندہ کا شعبان، اس کے بعد آپؓ کو کسی سن کی تعیین کی ضرورت کا احساس ہوا اور آپ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ کسی نے کہا ولادتِ نبوی سے سن کا آغاز کیا جائے کسی نے کہا بعثت سے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ ہجرت ہماری تاریخ میں سب سے اہم واقعہ ہے اور اس لئے اسلامی تقویم (سن) کا آغاز ہجری ہی سے کیا جائے، حضرت عمرؓ نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور سن ہجری کا آغاز فرمایا چنانچہ امام بخاریؒ نے "التاریخ الصغیر" میں لکھا ہے:-

"حدثنا عبد اللہ بن مسلم حدثنا عبد العزیز بن ابی حازم عن ابیہ عن سھل بن سعد قال ما عدوا من مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من وفاتہ ولا عدوا الا من مقدمہ المدینۃ

(التاریخ الصغیر ص ۹)

عبد اللہ بن مسلم نے ہم سے حدیث بیان کی کہ عبد العزیز بن ابی حازم نے اُن سے حدیث بیان کی، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے سہل بن سعد سے کہ مسلمانوں نے نہ تو سن کا شمار بعثتِ نبوی سے کیا نہ آپ کی وفات اور نہ کسی اور واقعے سے۔ صرف آپؐ کی آمدِ مدینہ (ہجرت) سے سن کا شمار کیا۔

اسی طرح دوسری روایت نقل کی ہے:

"حدثنا عبد اللہ بن عبد الوھاب الحجبی حدثنا عبد العزیز بن محمد بن عثمان بن رافع قال سمعت سعید بن المسیب قال عمر متیٰ نکتب التاریخ۔ فجمع المھاجرین فقال لہ علی من یوم ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فکتب التاریخ

(ایضاً ص ۹)

ہم سے عبد اللہ بن عبد الوہاب الحجبی نے حدیث بیان کی، اُن سے عبد العزیز بن محمد بن عثمان بن رافع نے اُنھوں نے کہا میں نے سعید بن المسیب کو کہتے سنا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم کب سے تاریخ لکھیں، پس آپ نے مہاجرین کو جمع کیا۔ تب حضرت علیؓ نے فرمایا اُس دن سے جبکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، پس اُسی دن سے تاریخ لکھی گئی۔

یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر سن ہجری کے آغاز اور عربوں کے طریقہ ہائے عبادت کی منسوخی میں کوئی تعلق ہوتا تو پھر "بعثتِ نبوی" سے اسلامی سن کا آغاز کیا جاتا کیونکہ بعثت ہی نے معبودانِ باطل کے بجائے خدائے واحد کی پرستش کا آغاز کیا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے یہ موسیو موصوف کی محض اختراع ذہنی ہے۔

(۴) اسلامی ثقافت کی نسلی عبقریت سے بے نیازی | موسیو سدیو نے اسلامی ثقافت کو عربوں کا کارنامہ بتایا ہے اور اس پر بڑی شدت سے اصرار کیا ہے، ہر جگہ وہ عربوں ہی کو اس کا بانی اور علمبردار قرار دیتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:-

"عربوں کی طبیعت میں فطری جودت تھی..... جو علم عرب علماء کو حاصل ہوتا تھا، اُس کی بہت جلد دنیا میں عام اشاعت ہوجاتی تھی...... عرب علماء محققین کے دماغی جدوجہد کے ثمرات سب کو پہونچ جاتے تھے...... عربوں کے مشاغلِ کثیر بھی علم کی خدمت اور اُس کی اشاعت میں اُن کے سنگِ راہ نہ بن سکے۔"

حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی علمی و ثقافتی ترقی اُن کی گوناگوں نسلی و خاندانی خصوصیتوں کا نتیجہ نہ تھی، جن فضلائے باکمال نے علومِ اسلامیہ کی ثروت میں حصہ لیا ہے، اُن میں عرب بھی تھے اور عجم بھی، رومی بھی تھے اور یونانی بھی، ترک بھی تھے اور ایرانی بھی، سندھی بھی تھے اور ہندی بھی، آج ان میں سے ہر قوم اپنی گزشتہ ثقافتی عظمت کی تعریف میں رطب اللسان ہے، یہاں ان دعووں کی تائید و تردید کا کوئی محل نہیں ہے۔ لیکن ایک امر یقینی ہے کہ بعثتِ اسلام سے بہت پہلے اُن میں سے ہر قوم کی علمی و ثقافتی سرگرمیاں ختم ہوچکی تھیں اور وہ جمود و اضمحلال کی زندگی بسر کر رہی تھیں، اس صورت میں کسی مسلمان فاضل کی عبقریت اور اُس کے فضل و کمال کو اُس کی نسلی یا وطنی خصوصیات کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

عربوں کا قبلِ اسلامی دور تو ہمیشہ سے "عہدِ جاہلیہ" کا مصداق رہا ہے اور بجا طور پر رہا ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔ عجمی اقوام کی حالت بھی اس سے کچھ بہتر نہ تھی:-

رومیوں نے بیشک ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی، مگر علم و حکمت کی ترقی میں اُن کا کبھی کوئی حصہ نہیں رہا۔

ابنِ خلدون لکھتا ہے:-

"ولما انقرض امر الیونان وصار الامر للقیاصرۃ	اور جب یونانیوں کا دور ختم ہوگیا اور روم کے قیاصرہ کے عالمی اقتدار کا
واخذوا بدین النصرانیۃ ھجروا تلک العلوم....	آغاز ہوا اور انھوں نے مسیحی مذہب اختیار کرلیا تو پھر ان علوم کو
وبقیت فی صحفہا ودواوینہا مخلدۃ باقیۃ	بالکل ہی چھوڑ دیا...... اور یہ علوم کتابوں اور رسالوں میں کتب خانوں
فی خزائنہم"	کے اندر بند پڑے رہے۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۲۶)

مثال کے طور پر "علم الہندسہ" کو لیجئے۔ رومیوں نے ۱۴۶ ق م میں یونان کو فتح کیا اور اُس کی سیاسی عظمت کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس کے "ثقافتی کمال" کے بھی وارث بنے۔ اُس کے بعد ۱۴۸۴ء تک مشرقی یورپ اور مغربی یورپ کے اور اُس کے بعد سے سقوط قسطنطنیہ تک مشرقی رومن امپائر کے حکمراں بنے رہے۔ مگر اس طویل عرصہ میں "اصول اُقلیدس" کے ساتھ اُن کے اعتناء کا یہ عالم تھا کہ اُن کی ملکی و قومی زبان لاطینی میں صرف بوئیتھیوس نے چوتھی صدی مسیحی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ بھی کیا کیا۔ صرف پہلے تین چار مقالوں کی تلخیص ہے اور بس۔ کامل اصول اُقلیدس کا لاطینی ترجمہ ۱۱۲۰ء میں ایتھیلارڈ نے عربی سے کیا۔ مگر اس کا تعلق رومن سرپرستی سے نہیں ہے بلکہ قرونِ وسطیٰ سے ہے۔ حالانکہ آٹھویں صدی کے وسط سے مسلمانوں نے اقلیدس کا ترجمہ کرنا شروع کیا اور قلیل عرصہ میں متعدد ترجمے کر ڈالے، بیشمار شرحیں لکھیں اور یہی نہیں بلکہ جابجا اُقلیدس اور دوسرے قدیم ہندسہ دانوں کے اغلاط کی تصحیح و اصلاح کی۔

یونانیوں کا عالم یہ تھا کہ مشرقی رومن امپائر (بازنطینیہ) میں ثاسطیوس اور برقلس کے بعد کوئی نام کا عالم بھی نہیں ہوا۔ چنانچہ ایم، ڈی، ولف لکھتا ہے:-

"نو فلاطونیت کے آخری علمبردار ثاسطیوس اور برقلس وغیرہ کے بازنطینیہ (مشرقی رومن امپائر) کے ساتھ تعلقات آمد و رفت تھے، لیکن اُن کے بعد آٹھویں صدی مسیحی سے پہلے ہمیں وہاں کوئی قابلِ ذکر نام نہیں ملتا" (قرونِ وسطیٰ کے فلسفہ کی تاریخ صفحہ ۸۱)

ساتویں صدی مسیحی میں ہرقل نے قدیم علمی عظمت کو زندہ کرنے کی کوشش کی، مگر یہ سب بیکار ثابت ہوئی، مشہور مؤرخ فلسفہ ایم، ڈی ولف لکھتا ہے:-

"مشرق کے مسیحی شاہنشاہوں نے فلسفہ کا مدرسہ جاری کرنے کی متعدد بار کوشش کی تاکہ نیا دارالسلطنت ایتھنز اور اسکندریہ کا حریف بن جائے..... ۶۱۸ء میں شاہنشاہ ہرقل نے اسکندریہ کے ایک استاد کو قسطنطنیہ بلایا تاکہ اُس کی تعلیم سے بازنطینی ذہانت و فطانت اپنے جمود سے بیدار ہو جائے۔ مگر یہ سعی لاحاصل ثابت ہوئی۔ متوقعہ بیداری کو ابھی ظہور میں آنے کے لئے نسلہا نسل درکار تھیں"

(قرونِ وسطیٰ کے فلسفہ کی تاریخ ص ۸۱)

اس سے بدتر حال مغربی یورپ کا تھا۔ جس کے بارے میں ایک دوسرا مؤرخ فلسفہ پروفیسر تھلی لکھتا ہے:-

"ساتویں اور آٹھویں صدیاں غالباً ہماری مغربی یورپ کی تہذیبی تاریخ کا تاریک ترین زمانہ ہیں۔ یہ لاانتہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہالت اور بربریت وبہیمیت کا زمانہ تھا، جس کی تباہ کاریوں اور غارت گریوں کے اندر کلاسیکی عہد ماضی کے ادبی اور جمالیاتی کارنامے گم ہو کر رہ گئے تھے۔" (تاریخ فلسفہ صفحہ ۱۴۲)

ڈاکٹر ایم، ڈی، وولف اپنی دوسری کتاب "قدیم وجدید مسیحی علم الکلام" میں یورپ (یونان وروم) کی ثقافتی حالت کے بارے میں خود یورپی مؤرخین کا قول نقل کرتا ہے:۔

"۵۲۹ء سے لیکر جبکہ قیصر جسٹینیان نے یونانی مدارس کو بند کر دیا تھا، ۱۶۳۷ء تک جبکہ ڈیکارٹ کی مقالات برمناہج شائع ہوئی، یہ ندی کی ماتی انسانیت نے غور وفکر کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ یا یوں کہئے کہ علم وحکمت کے اہم مسائل کو تفکر ورویت کے حضور میں لانا چھوڑ دیا تھا" (قدیم وجدید مسیحی علم الکلام ص ۶)

ترکوں کی تاریخ قدیم کا تو ذکر ہی کیا جو جہالت و بربریت کی تاریکی میں مشہور ہے، چنانچہ قاضی صاعد نے اُن کا شمار اُن اقوام میں کیا ہے جن کا علم وحکمت سے کوئی تعلق نہ تھا:۔

"واما الطبقة التي لم تعن بالعلوم فبقية الامم	رہا وہ طبقہ جس نے علوم کے ساتھ اعتنا ہی نہیں کیا تو
ممن ذكرنا من ...... ترك ...... واصناف	اُس میں باقی اقوام داخل ہیں جیسے ..... ترک یا حبش
السودان من الحبشة والزنج وغانه وغيرهم"	زنج، غانہ وغیرہ کے باشندے۔" (طبقات الامم ص۹)

ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کا ملک ہمیشہ سے علم وحکمت کا گہوارہ رہا ہے بلکہ یہیں سے فلسفہ ونجوم کا آغاز ہوا اور یہیں سے یہ گوہر گراں مایہ یونان پہونچا۔ تاریخ بھی بتاتی ہے کہ ازمنہ قدیمہ میں حکمائے یونان "مغان فارس" سے آداب ریاضت ومجاہدہ سیکھنے جاتے تھے۔ مگر بعثت اسلام کے قبیل جہالت کی جو عام صرصر تند باد دنیا میں چل رہی تھی، ایران بھی اُس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ فارس کا قدیم علمی وحکمی سرمایہ تو سکندر ہی لوٹ کرلے گیا تھا۔ ساسانی عہد میں اس کی تجدید کی کوشش کی گئی، مگر وہ اتنی غیر اہم تھی کہ تاریخ نے اُس کی تفصیل یاد رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، حالانکہ اُن کی سیاسی فتوحات کی جزئیات تک محفوظ ہیں۔

اسلام سے پہلے ایرانی ثقافت کا سب سے روشن دور نوشیرواں کا عہد ہے۔ اُس نے علم وحکمت کے احیاء پر خصوصی توجہ کی، مگر اُس کی علمی مساعی پر ایک ہم عصر مؤرخ اگاتھیاس نے بڑا مایوس کن تبصرہ پیش کیا ہے چنانچہ مشہور مؤرخ کرسٹن سین لکھتا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اگاتھیاس..... کے نزدیک یہ بات کیسے ممکن ہے کہ ایک بادشاہ جو سیاسی اور جنگی معاملات میں اس طرح معروف ہو یونانی اور رومی ادبیات کی لفظی اور معنوی خوبیوں کو بنظرِ غائر دیکھ سکے بالخصوص جبکہ اُس کے پیشِ نظر یونانی کتابوں کے صرف وہ ترجمے ہوں جو بقول اُس کے ایک اکھڑ اور بدرجہ غایت ناشائستہ زبان میں کئے گئے ہوں، یورنیوس جو...... خسرو کو فلسفہ پڑھاتا تھا' اگاتھیاس کے نزدیک وہ ایک جاہل اور فریبی شخص تھا۔"[1]

یہی نہیں بلکہ ساسانی عہد کے آخری دور کی علمی وفکری سرگرمیوں کو البیرونی اُس تشکیک وارتیابیت سے تعبیر کرتا ہے جو قوموں کے اندر زوال اور فکری جمود واضمحلال کے بعد طاری ہو جایا کرتے ہیں:۔

کچھ ایسا ہی حال ہند وسند کا تھا، اُن کا علمی وثقافتی ماضی کتنا ہی تابناک کیوں نہ رہا ہو، مگر قبیل اسلام جو بودھ مت کے علی الرغم برہمنیت کا عروج ہوا تو اُن کے تعصب وتنگ نظری نے قدیم علم وحکمت کے لئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی، آج اُن کے علمی وحکمی کارنامے اگر کچھ محفوظ ہیں تو صرف غیر ملکی مثلاً چینی اور تبتی یا عرب مصنّفین کے یہاں۔ شروع میں اُن کی طب اور ہیئت سے مسلمانوں نے اعتناء کیا مگر جلد ہی اُس کی بیمائگی کا اندازہ ہو گیا، چنانچہ البیرونی نے جو ہندوؤں کے قدیم علوم کو زندہ رکھنے کے لئے مشہور ہے ایک مستقل کتاب "ان رائے العرب فی مراتب العدد اصوب من رائ الہند فیہا" کے عنوان سے لکھی تھی، جس میں ثابت کیا تھا کہ علم الحساب میں بھی جو ہندوؤں کا عظیم ترین کارنامہ ہے' عرب فائق تھے۔

رہے عرب تو اُن کی طبعی ونسلی خصوصیات ہی علم وحکمت کے ساتھ اعتناء کے لئے سازگار نہیں تھیں، چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے:۔

"فصل فی ان العرب ابعد الناس عن الصنائع۔ والسبب فی ذلك انہم اعراق فی البدو وابعد عن العمران الھندی وما یدعو الیہ من الصنائع"[2]

فصل اس بات میں کہ عرب نوعِ انسان میں صنائع سے سب سے زیادہ بے بہرہ ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ جنگلی پن میں راسخ ہیں اور شہری تمدن اور اُس کی ضروری صنائع سے سب سے زیادہ دور ہیں۔

اور یہ واقعہ بھی تھا' چنانچہ قاضی صاعد کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ "فلسفہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن عربوں کو بالکل ہی بے بہرہ رکھا ہے اور اُن کا مزاج ہی اس قابل نہیں بنایا کہ وہ اُن علوم کے ساتھ اعتناء کر سکیں۔" چنانچہ عربی النسل لوگوں نے بعثتِ اسلام کے بعد بھی ان علوم میں کوئی ترقی نہیں کی، اموی دور میں علومِ دینیہ اور لسانیات میں ضرور ترقی ہوئی، مگر اس میں زیادہ حصہ غیر عرب موالی کا ہے اور صحابہ کو چھوڑ کر عربوں کا بالکل ہی برائے نام اور علومِ حکمیہ میں تو سوائے دو تین مشاہیر جیسے الکندی،

[1] ایران بعہدِ ساسانیاں صفحہ ۵۰۷۔ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن الحائک یا ابن الاعلم وغیرہ کے بعد کے زمانہ میں بھی خالص عربوں کا نام عباقرۂ اسلام کی فہرست میں نظر نہیں آتا، چنانچہ قاضی صاعد اندلسی آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"واما علم الفلاسفة..... لا اعلم احدًا من صميم العرب شهر به الا ابا يوسف يعقوب بن اسحاق الكندي وابا محمد الحسن الهمداني"	اور رہا علم فلسفہ..... تو میں خالص عربوں میں سے سوائے ابو یوسف یعقوب بن اسحاق کندی اور ابو محمد حسن ہمدانی کے کسی اور کو نہیں جانتا جو ان علوم میں مشہور ہوا ہو۔ (طبقات الامم ص")

علومِ حکمیہ ہی میں نہیں بلکہ علومِ دینیہ اور لسانیات میں بھی اسلامی ثقافت نے جو بیش بہا خدمات انجام دیں، اُن کا فضل و شرف صرف عربوں ہی کو پہونچتا ہے۔

مگر یہی امتیاز اسلامی ثقافت بلکہ خود عظمتِ اسلام کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جب عربوں نے غیر عرب مسلمانوں پر اپنی نسلی برتری اور تفوق کا اصرار کیا تو مجبوراً انہیں اس کا انکار کرنا پڑا اور پھر وہ تحریک شروع ہوئی جو "شعوبیت" کہلاتی ہے، شروع میں یہ صرف ایک فکری تحریک تھی، مگر عہدِ حاضر میں دولِ یورپ کی ہوسِ استعمار نے اسے سیاسی شکل دیدی اور "کانهم بنيان مرصوص" ہونے کے باوجود نبی اُمی کی اُمت پارہ پارہ ہوگئی، حالانکہ رب العزۃ نے "وحدتِ ملی" کو ایک بڑی نعمت فرمایا تھا۔

"وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا" (آل عمران - ۱۰۳)	اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم میں بیر تھا، اُس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اُس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہوگئے۔

مگر جب شیطان نے اُنگلی دکھادی تو یہی "اُلفت" "نفرت" میں بدل گئی اور "ملتِ اسلام" کے بجائے نہ صرف ایرانی و تورانی قومیتیں ظہور میں آگئیں، بلکہ خود عربوں میں بھی ربیعہ و مضر اور عدنانی و قحطانی کی تفریق و تمزیق پیدا ہوگئی فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہرحال یہ نہ عربی ثقافت تھی نہ ایرانی نہ تورانی - یہ صرف خالص "اسلامی" ثقافت تھی اور صرف "مسلمان" (مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کے علمبردار تھے، مگر مسیحی یورپ کو اسلام کی عظمت کا نام لینا ناگوار تھا۔ اس لئے بادلِ ناخواستہ اس نے اس کا نام "عربی ثقافت" رکھا۔ فهل من مدّكر۔

© rasailojaraid.com